ڈاکٹر رحمت علی شادؔ
پرنسپل ! گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج (بوائز) کمیرٹاؤن ساہیوال
زینت النساء چودھری
سکالر پی ایچ ڈی اردو، لاہور گیریژن یونی ورسٹی لاہور

مقدماتِ باغ و بہار: تنقیدی مباحث و تجزیاتی تقابل

Dr. Rahmat Ali Shad
Principal, Govt. Associate College (Boys) Kameer Town, Sahiwal.
Zeenat un Nisa Ch.
Scholar Ph.D Urdu, Lahore Garisson University, Lahore.

Muqadamat e Bagh o Bahar: A Critical Debate And Analytical Comparison

"Muqadamat e Bagh o Bahar" is a supplying scholarly achievement by Dr. Aslam Aziz Durrani. In the beginning of this book, scholarly essay titled as "Pesh Muqadamat" has been presented which includes the artistic aspects etymology, language and analytical comparison of these Muqadamat. Dr Aslam has very artistically put together the analytical views of nine Muqadama Nigars including Mir Aman Dehlvi, John Gilchrist, Molvi Abdul Haq, Mumtaz Hussain, Waqar Azeem, Abul Khair Kashfi, Dr. Mumtaz Manglori, Dr. Saleem Akhtar and Rasheed Hassan Khan. He has done literary postmortem of these Muqadamat so skilfully that the real face of "Bagh o Bahar" is unveiled. The last Muqadama of the said book has been composed by himself which is a vital proof of his love for Muqadma nigari and his grip on the subject.

Keywords: *Bagh o Bahar, Etmology, Language, Postmortem, Vital Proof.*

"مقدماتِ باغ و بہار" دراصل ڈاکٹر اسلم عزیز درانی کی ایک بہترین علمی کاوش ہے جسے کاروانِ ادب، ملتان نے ۱۹۹۵ء میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ باغ و بہار کا دوسرا نام قصہ چہار درویش بھی ہے؛ جس کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "پیش مقدمات" کے علاوہ مذکورہ کتاب کے آخر میں ایک مقدمہ خود تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر نو (۹) مشاہیر ادب کے مقدمات کو بھی اس کتاب کی زینت بنایا ہے؛ ان مقدمہ نگاروں میں میر امن

دہلوی، جان گلکرائسٹ، مولوی عبدالحق، ممتاز حسین، وقار عظیم، ابو الخیر کشفی، ڈاکٹر ممتاز منگلوری، ڈاکٹر سلیم اختر اور رشید حسن خان کے نام شامل ہیں۔

ڈاکٹر اسلم عزیز درانی "پیش مقدمات" میں بتاتے ہیں کہ میر امن دہلوی کے قلم نے ایک ایسی داستان رقم کی ہے جس کے سامنے فنا کا ذائقہ بھی آبِ بقا بن گیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کی زبان کو زندہ نثر قرار دیا ہے۔ جان گلکرائسٹ نے میر امن کے بیان میں کلاسیکی طہارت تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔ مولوی عبدالحق کے مطابق یہ تصنیف ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے۔

''مقدماتِ باغ و بہار'' میں پیش لفظ کے بعد ہمیں پہلا مقدمہ میر امن دہلوی کا ملتا ہے جس میں میر امن دہلوی اللہ تعالیٰ کو ایک عظیم ترین صانع گردانتے ہیں کہ جس نے خاک سے کیا کیا صورتیں اور شاہکار پیدا کیے ہیں۔ آسمان اس کے دریائے وحدت کا ایک بُلبلہ ہے، سمندر میں ہزاروں بپھری لہریں موجود ہیں لیکن کسی میں یہ سکت نہیں کہ وہ اس کی حقانیت کے سامنے پر بھی مار سکے۔

رشید حسن خاں اپنے تحریر کردہ باغ و بہار کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ میر امن دہلوی نے اپنے مقدمے میں باغ و بہار کی تخلیق کا مقصد و منشاء یوں بیان کیا ہے:

> ''منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سنہ ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی، مطابق ایک ہزار دو سو سات سنہ فصلی کے، عہد میں اشرف الاشراف مارکولیس و لزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے (جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگرداں ہے۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہییں خدا نے ان کی ذات میں جمع کئے ہیں۔ غرض قسمت کی خوبی اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں۔ سارے غریب و غربا دعا دیتے ہیں اور جیتے ہیں) چرچا علم کا پھیلا۔ صاحبانِ ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو کی زبان سے واقف ہو کر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کریں اور ملکی کام کو بہ آگاہی تمام انجام دیں؛ اس واسطے کتنی کتابیں اسی سال بموجب فرمائش کے تالیف ہوئیں''۔ (۱)

میر امن دہلوی نے اس قصے کے فارسی میں مروج ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاء؛ جو امیر خسرو کے پیر تھے؛ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ مُرشد کا دل بہلانے کی غرض سے امیر خسرو یہ قصہ

ہمیشہ اپنے مرشد کو سناتے اور بیماری میں حاضر رہتے۔ جب بیماری سے شفا ملی تو حضرت نظام الدین نے غسل فرمایا اور دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنے گا خدا کے فضل سے تندرستی پائے گا؛ تب سے یہ قصہ فارسی میں معروف ہوا۔

میر امن دہلوی کے مطابق دلی میں سلطان محمود غزنوی، غوری اور لودھی بطور بادشاہ آئے۔ آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں کی آمیزش ہوئی۔ آخر میں تیمور کے آنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا؛ اس لیے شہر کا بازار اردو کہلایا لیکن جب اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تو چاروں اطراف کے ملکوں سے لوگ ان کے حضور جمع ہوئے؛ اس وقت ان لوگوں کی تقریباً ہر ایک کی اپنی جدا بولی تھی۔

میر امن دہلوی نے وہاں کے بازار کو اردوئے معلیٰ کا خطاب ملنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ لوگ سودا سلف لینے کی غرض سے اکٹھے ہوتے اور ان کو ایک دوسرے کی زبان سمجھ کر لین دین میں حائل دشواریوں کو ختم کرنا تھا؛ اس لیے وہاں کے بازار کو اردوئے معلیٰ کا نام دیا گیا۔

جان گلکرائسٹ کے مطابق قصہ چہار درویش اردو میں ترجمہ ہونے سے پہلے فارسی زبان میں تھا اور اسی زبان میں مقبولِ خاص و عام ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ سب سے پہلے میر حسین عطا خان تحسین نے کیا اور اس کا نام "نو طرزِ مرصع" رکھا؛ بعد ازاں اس ترجمے کو اس وجہ سے ناقص قرار دے دیا گیا کیوں کہ اس میں عربی اور فارسی کے فقروں اور محاوروں کی بہتات تھی۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے میر امن دہلوی جو اس وقت فورٹ ولیم کالج سے وابستہ تھے۔ سادہ اور صاف اسلوب کی وجہ سے ایک خاص پہچان رکھتے تھے کیوں کہ ان کی اردو زبان سے گہری وابستگی تھی، نے اپنی شائستہ گوئی کی بدولت اس قصے کو کچھ اس طرح ڈھالا کہ اس کی زبان میں ایک طرح کی کلاسیکی طہارت پیدا ہو گئی۔ جان گلکرائسٹ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اس قصے میں ایشیائی رسم و رواج کا مذکور بہت خوب ہے اور ان کے بیان میں ایک ایسی کلاسیکی طہارت پائی جاتی ہے کہ اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ یہ قصہ ان کا اپنا طبع زاد ہے"۔ (۲)

مقدماتِ باغ و بہار میں ترتیب کے لحاظ سے تیسرا مقدمہ مولوی عبدالحق کا ہے۔ مولوی صاحب نے اس کی مقبولیت کی وجہ اس کی زبان میں موجود فصاحت اور سلاست کو قرار دیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے میں اس نقطہ کو خاص طور پر اُٹھایا ہے کہ "قصہ چہار درویش" جس کے متعلق یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا ہے؛ جب کہ فارسی نسخے کے آخر میں یعنی مقطع میں "صفی" تخلص لکھا ہوا ہے۔ مولوی عبدالحق کا کہنا یہ ہے کہ امیر خسرو ایک زبردست اور زود گو شاعر تھے اُن سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ یہ قصہ کسی اور کا ہو اور وہ اپنے نام سے منسوب کر لیں؛ بہر حال یہ امر تحقیق طلب ہے۔

مولوی عبدالحق اس تصنیف کو فارسی کتاب کا ترجمہ ماننے سے انکاری ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ انہوں نے فارسی کتاب اور نوطرزِ مرصع کے گہرے مطالعے کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ ''باغ و بہار'' فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا اصل ماخذ نوطرزِ مرصع ہے۔ مولوی صاحب نے اس بات پر بھی اعتراض کیا کہ میر امن نے اپنے مقدمے میں محض فارسی کتاب اور اس کے ترجمے کا ذکر کیا ہے لیکن "نوطرزِ مرصع" کا ذکر سرے سے کیا ہی نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق اپنے بیان کی تصدیق کے لیے موازناتی انداز اپناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اصل بات یہ ہے کہ ترجمہ ان دو میں سے کوئی بھی نہیں۔ فارسی کتاب کو اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے لیکن جہاں کہیں "نوطرزِ مرصع" اور فارسی کتاب میں اختلاف ہے "باغ و بہار" میں "نوطرز مرصع" کا اتباع کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ و بہار جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے ؛ فارسی قصے کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا ماخذ "نوطرزِ مرصع" ہے۔ بعض مقامات پر تو الفاظ اور جملے کے جملے ہی لکھ دیئے گئے ہیں جو ''نوطرزِ مرصع'' میں موجود ہیں"۔ (۳)

مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے میں باقی مقدمہ نگاروں کی نسبت "باغ و بہار" کی تحقیق کے ضمن میں زیادہ کاوش کی ہے اور اپنی اس کاوش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے بعض جگہوں پر فارسی اور اردو کی عبارتوں کا موازنہ بھی کیا ہے؛ جس سے "نوطرز مرصع" اور "باغ و بہار" کی عبارتوں میں پائی جانے والی مماثلتیں بھی انہوں نے طشت از بام کی ہیں۔ چاروں درویشوں کی سنائی جانے والی کہانیوں کا موازنہ کیا ہے اور ان کے متون پر بھی بحث کی ہے۔ اس طرح فارسی کتاب میں پیش کیے گئے واقعات اور "نوطرزِ مرصع" کے واقعات میں محاوروں کی موجودگی اور عدم موجودگی پر بحث کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''نوطرزِ مرصع'' فارسی زبان کا ترجمہ نہیں بلکہ تتبع ہے جس میں الفاظ اور محاورات بعینہ لکھے گئے ہیں اور کچھ نئی باتیں بھی شامل کی گئی ہیں۔ اس حوالے سے ''نوطرزِ مرصع'' کو فارسی کتاب کا ترجمہ کہنا قرینِ قیاس نہیں۔ "مقدماتِ باغ و بہار" کا ایک ترجمہ ممتاز حسین کا تحریر کردہ بھی ہے؛ جس میں ممتاز حسین نے درج ذیل عنوانات قائم کیے ہیں۔

۱۔ باغ و بہار کا ماخذ
۲۔ میر امن
۳۔ میر امن کے ترجمے کی نوعیت
۴۔ باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ
۵۔ زبان و بیان

۶۔ باغ و بہار میں دلی کی معاشرت کی جھلکیاں

ممتاز حسین نے "باغ و بہار" کے ماخذ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس وقت اردو نثر میں قصہ چہار درویش کے تین تراجم پائے جاتے ہیں۔ سب سے قدیم میر حسین عطا خان تحسین کا جسے انہوں نے اپنی رنگینی عبارت کے باعث ''نو طرزِ مرصع'' کا نام دیا ہے۔ اس کا سن تالیف ۱۷۹۸ء ہے۔ دوسرا ترجمہ میر امن کا ہے جو باغ و بہار کے تاریخی نام سے مشہور ہے اس کا سنِ تالیف ۱۸۰۲ء ہے۔ تیسرا ترجمہ میر محمد غوص زریں کا ہے۔ ممتاز حسین نے تیسرے ترجمے یعنی میر محمد غوص زریں کے ترجمے کو اس لیے نظر انداز کیا ہے کہ وہ ایک خلاصے کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے دیگر تراجم کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ہے جن میں میر امن دہلوی کا ترجمہ "نو طرزِ مرصع" جو ۱۸۰۴ء میں جان گلکرائسٹ کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ میر امن کا "باغ و بہار" کے عنوان سے ہے۔ ممتاز حسین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میر امن مولف ہیں مصنف نہیں ہیں اور اس کا ماخذ "نو طرزِ مرصع" نہیں ہے۔

سر ولیم واسلے نے اپنی فہرست میں قصہ چہار درویش کا مصنف معصوم علی خان کو بتایا ہے۔ ممتاز حسین اس بات پر بھی بضد ہیں کہ اب تک فارسی کے جتنے نسخے ملے ہیں ان کا اسلوب امیر خسرو کے اسلوب سے نہیں ملتا اور نہ تاریخ کی کوئی کتاب اس بات کا حوالہ دیتی ہے کہ اس نام کا کوئی قصہ امیر خسرو نے لکھا ہے۔ امیر خسرو نے اپنے پیر و مرشد نظام الدین اولیاء کی تیمارداری میں اس قصے کا شفا کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ اس قسم کی نسبتیں تاریخی حقائق سے میل نہیں کھاتیں کہ داستان کو برکت کے لیے استعمال کیا جائے۔

"میر امن" والی ذیلی سُرخی میں دراصل میر امن کا تعارف کروایا گیا ہے۔ اردو شعرا کے تذکروں کے حوالے سے ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> "یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اردو شعرا کے سارے تذکرے میر امن کے ذکر میں خاموش ہیں اور بجا طور پر خاموش ہیں کیوں کہ میر امن نہ تو شاعر تھے اور شاعر کے بھائی کہ ان کا ذکر کیا جاتا۔ وہ تو صرف ایک تُک بند تھے۔ اگرچہ فکر، سخن کہنے کی ساری عمر کوشش ہی نہیں کی ہاں البتہ خود بخود جو کوئی مضمون دل میں آ گیا تو اسے باندھ ڈالا۔ نہ کسی کا استاد اور نہ کسی کا شاگرد۔ لکھتے ہیں:
>
> نہ شاعر ہوں میں اور نہ شاعر کا بھائی
> فقط میں نے کی، اپنی طبع آزمائی (۴)

ذیلی سرخی "میر امن کے ترجمے کی نوعیت اور اہمیت" پر روشنی ڈالتے ہوئے ممتاز حسین کا کہنا ہے کہ میر امن کا ترجمہ نقل بھی ہے اور اصل بھی۔ نقل اس حوالے سے کہ "نو طرزِ مرصع" کے خدوخال میں میر امن نے کوئی

تبدیلی نہیں کی اور اصل اس حوالے سے ہے کہ "باغ و بہار" کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہے۔ بس میر امن نے "نوطرزِ مرصع" کے مطالب کو ذہن میں رکھا اور اپنے محاوروں اور ہندوستانی گفت گو کے سانچے میں ڈھال کر بیان کر دیا۔ اس حوالے سے ہمیں یہاں مولوی عبدالحق اور ممتاز حسین کی تحقیق میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ قریباً قریباً مولوی عبدالحق کا بھی میر امن کی تصنیف کے حوالے سے یہی خیال ہے جو ممتاز حسین کا ہے۔ اپنے خیالات کو تقویت دینے کے لیے ممتاز حسین نے یہ بھی لکھا ہے کہ میر امن نے میر حسین عطا خان تحسین کے ترجمے میں اپنا نیا اسلوب (Version) نکالا۔ آگے چل کر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ میر امن نے خود سے "نوطرزِ مرصع" کو قصہ چہار درویش کا ماخذ نہیں بنایا بلکہ انہیں "نوطرزِ مرصع" کتاب اس غرض سے دی گئی کہ وہ اس کے نقائص کو دور کر کے اسے سادہ اور صاف اسلوب میں لکھ دیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اسلوب ان کی دَین ہے کہ انہوں نے اسے کچھ اس طرح سے کلاسیکی پاکیزگی، شائستگی، صفائی اور سادگی سے مزین کر دیا کہ اس پر طبع زاد ہونے کا گمان گزرتا ہے۔

"باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ" کی ذیلی سرخی کے تحت ممتاز حسین نے قصہ چہار درویش کے چاروں درویشوں کو مولوی عبدالحق کے تجزیہ کی طرح زیرِ بحث لا کر بہتر تجزیہ کی کوشش کی ہے۔ پہلے درویش کا روحانی تجربہ سمبالک (Symbolic) صورتِ حال اختیار کر جاتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ آدمی کا شیطان آدمی ہے، جس سے وہ بہک گیا، مزاج بدلا، شراب، ناچ اور جوئے کی لت نے سوداگری بھلادی۔ ممتاز حسین درویش کے اس رویے کو اخلاقی گراوٹ پر محمول کرتے ہیں۔ ذیلی سرخی "باغ و بہار میں دلی معاشرت کی جھلکیاں" میں ممتاز حسین نے دلی کی معاشرت کا نقشہ بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔ عہدِ مغلیہ کی رنگینی، شفق، دلی کی افسردہ شامیں، قلع کی شہزادیاں شربتِ ورق الخیال کے نشے میں مخمور اور بے حجاب، عیش و نشاط اور رقص و سرور کی محفلیں۔ اس کے علاوہ شہزادیوں کے آدابِ معاشرت میں خواجہ سراؤں کے ذریعے بلوانا" باغ و بہار" کی معاشرت کی جھلکیوں کو ہم پر واکرتا ہے۔

ممتاز حسین نے مختلف ذیلی سرخیوں کے تحت باغ و بہار کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی خوبی سے کیا ہے۔ موازناتی انداز بھی اپنایا ہے اور باغ و بہار کے اسلوب کو بھی واضح کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ بہت ساری گرہیں قارئین اور محققین کے لیے کھول دی ہیں۔ ممتاز حسین نے "باغ و بہار" کے تکنیکی انداز پر بھی بحث کی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممتاز حسین کی سوچ اور بصیرت کہانی کو مختلف زاویوں سے کھنگالنے کا فریضہ بڑے احسن انداز میں پیش کرتی ہے۔ باغ و بہار کی تصویر کو گھما کر قارئین، محققین اور ناقدین کو دکھانے کے فن سے موصوف خوب آشنا ہیں؛ اس طرح ہم ممتاز حسین کے مقدمے کو دیگر مقدموں سے بہتر قرار دے سکتے ہیں۔

"مقدماتِ باغ و بہار" کا پانچواں مقدمہ سید وقار عظیم کا ہے۔ سید وقار عظیم نے باغ و بہار یا قصہ چہار درویش کو اردو کی مقبول داستان قرار دیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ میر امن کے بزرگ؛ ہمایوں بادشاہ کے زمانے سے دربارِ شاہی سے وابستہ رہے ہیں اور ہر زمانہ میں انہیں خدمات کے صلے میں جاگیروں اور مناصب سے نوازا جاتا رہا۔

سید وقار عظیم کے مطابق ۱۷۹۸ء میں انگریزوں نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کے نام سے ایک کالج قائم کیا۔ جس کے قیام کا مقصد انگلستان سے ہندوستان آنے والے ان انگریزی افسران کو ہندوستان کے رسم و رواج سے آشنا کرنا تھا تاکہ وہ کمپنی کا کام احسن طریقے سے چلا سکیں۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرائسٹ تھے جنہیں میر امن دہلوی نے گلکرسٹ کے نام سے جانا اور تحریر کیا ہے۔ اس کالج میں فارسی اور ہندی کتب کے دلچسپ اور مفید تراجم ہوئے۔ اس طرح دیگر زبانوں کا کثیر سرمایہ اردو میں منتقل کیا گیا۔ دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل ہونے والی کتابوں کے حوالے سے سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

> "ان قصے کہانیوں کی کتابوں میں سے جو خاص طور پر پسند کی گئیں ان میں میر امن کی باغ و بہار، حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل اور طوطا کہانی اور خلیل خان اشک کی داستانِ امیر حمزہ کے نام سے پیش ہیں؛ لیکن ان ناموں میں بھی جو شہرت میر امن کی "باغ و بہار" کو حاصل ہوئی وہ آپ اپنی مثال ہے۔"۔(۵)

سید وقار عظیم نے میر امن کی "باغ و بہار" کی زبان کو سادہ اور شائستہ قرار دینے کے ساتھ زبان و بیان کو پر لطف، رواں اور ہموار بھی قرار دیا ہے۔ سید وقار عظیم نے میر امن کی قصہ گوئی میں قدیم طرز کی رنگینی اور جدید طرز کی سادگی کو حسین امتزاج کہا ہے۔ اس طرح وقار عظیم نے میر امن کی داستان کے غیر فطری فضا میں رہ کر پیش کیے جانے والے کرداروں کو سراہا ہے۔ سید وقار عظیم نے اپنے مقدمہ میں میر امن کی قصہ گوئی کی خوبیاں بڑے طمطراق سے بیان کی ہیں۔ ناول اور افسانے کا ذکر کرتے ہوئے میر امن کی "باغ و بہار" کے ساتھ موازناتی انداز اپنایا ہے مگر حیرت اس بات کی ہے کہ سید وقار عظیم جیسے عظیم المرتبت نقاد اور محقق سے اس طرح کی سطحی تنقید اور تحقیق کی توقع نہ تھی جس طرح سے سطحی انداز میں انہوں نے میر امن کی "باغ و بہار" کا تجزیہ کیا ہے۔

"باغ و بہار" کی تکنیکی خامیوں اور خوبیوں پر روشنی ڈالے بغیر مقدمہ نگار آگے بڑھے ہیں: لگتا ہے کہ سید وقار عظیم نے میر امن کی "باغ و بہار" کا مطالعہ گہرائی سے نہیں کیا اور نہ ہی میر امن کے مرکزی نکات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

"مقدماتِ باغ و بہار" میں چھٹا مقدمہ ابو الخیر کشفی کا ہے جس میں مقدمہ نگار نے میر امن کا سوانحی خاکہ باغ و بہار کا سنِ تالیف، باغ و بہار کا ماخذ، فنِ داستان گوئی اور باغ و بہار کی زبان اور اسلوب، باغ و بہار کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت، باغ و بہار کا اخلاقی پہلو، باغ و بہار کی ادبی اہمیت اور اثرات ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ابو الخیر کشفی نے میر امن کے سوانحی خاکے میں میر امن کو انہیں کی زبان میں دلی کا روڑہ قرار دیا ہے۔ میر امن کا عظیم آباد میں قیام اور دلی سے رختِ سفر باندھنے کے واقعات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ مقدمہ نگار نے میر امن کے دلی چھوڑنے کے واقعہ کو تاریخی حوالوں سے مزیّن کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''شاہ عالم ثانی نے ۲۴ دسمبر ۱۷۵۹ء کو کھٹولی میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ دلی کا شہنشاہ؛ دلی تک نہ آسکا۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ دلی کی تقدیر سے کھیل رہا تھا اور شاہ عالم الہ آباد میں گرفتاری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ احمد شاہ ابدالی ۱۶ شعبان ۱۱۷۴ھ (۲۳ مارچ ۱۷۶۱ء) تک دہلی میں رہا (سیر المتاخرین)۔ اس تاریخ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ میر امن نے دلی، مارچ ۱۷۶۱ء کے بعد چھوڑی''۔ (۶)

ابو الخیر کشفی میر امن کی فورٹ ولیم کالج میں تقرری کے حوالے سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ میر امن کا تقرر مذکورہ کالج میں ۱۸۰۱ء سے پہلے ہی ہو گیا تھا اور وہ بڑھاپے تک فورٹ ولیم کالج سے وابستہ رہے۔ میر امن کی زندگی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ۱۸۰۶ء تک زندہ رہے۔ وہ مذہباً شیعہ تھے۔ باغ و بہار کے سنِ تالیف کے حوالے سے مقدمہ نگار نے لکھا ہے کہ "باغ و بہار" ۱۸۰۱ء میں لکھی جاچکی تھی اور میر امن کو ۳۱۔ اگست ۱۸۰۲ کو پانچ سو روپے انعام کی صورت میں مل چکا تھا۔ مذکورہ مقدمہ نگار نے بھی باقی محققین کی طرح "نوطرزِ مرصع" کو ہی "باغ و بہار" کا ماخذ قرار دیا ہے۔ موصوف کی نظر میں "نوطرزِ مرصع" چوں کہ ۱۷۹۸ء سے بہت پہلے لکھی جاچکی تھی جب کہ ''باغ و بہار'' ۱۸۰۱ء میں تحریر ہوئی۔ ابو الخیر کشفی سلاست، روانی اور سادگی کے نقوش اولاً "نوطرزِ مرصع" میں تلاش کرتے ہیں اور پھر یہی نقوش انہیں "باغ و بہار" میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ فنِ داستان گوئی اور "باغ و بہار" کا احاطہ کرتے ہوئے تخیل کو داستان کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تخیل داستان کی بنیاد ہے؛ اس لیے داستان کی دنیا مثالی دنیا ہوتی ہے جسے مناسب لفظ کی تلاش کے بغیر یاروں نے ''عجیب'' کا نام دے دیا۔ بعض بڑے فن پاروں کی دنیا بھی محض تخیلی دنیا ہے۔''۔ (۷)

میر امن کی باغ و بہار کے حوالے سے ابو الخیر کشفی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ میر امن کے کردار تخیلی یا ہمزاد نہیں ہیں۔ وہ اپنی شخصیت رکھتے ہیں اور داستان گو کو جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ "باغ و بہار" کی زبان کو موصوف

نے مولوی عبدالحق کی طرح سادگی، فصاحت اور سلاست سے بھرپور قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے مقدمہ نگار نے کلیم الدین احمد کے تجزیے کو بھی شامل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میر امن کی سادگی سپاٹ نہیں ہے۔ میر امن کے زبان و اسلوب میں ناگوار نیرنگی نہیں ہے۔ میر امن کی نثر سادگی اور پرکاری کا سنگم ہے۔ میر امن کی نثر میں آہنگ ہے اور اس آہنگ کی بنیاد حرکت پر ہے۔ میر امن کی ترتیب میں باریکی اور تناسب ہے۔ اس طرح مقدمہ نگار نے باغ و بہار کے تاریخی، تہذیبی اور اخلاقی پہلوؤں کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے میر امن کی کہانی کا موازنہ ناول اور افسانوں کی تبلیغ سے کیا ہے اور ہر ادب کو اس کے دور کی تاریخ، تہذیب و تمدن کو معاشرت کا آئینہ تسلیم کر کے میر امن کی "باغ و بہار" کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے؛ اس طرح مقدمہ نگار کی نظر میں میر امن نے شعوری طور پر اردو نثر کے لیے ایک نیا راستہ تراشا ہے اور اس بات پر بھی اپنے یقین کی مہر ثبت کر دی ہے کہ نئے طرز کا خالق ہمیشہ مستقبل کے بارے میں پر وثوق ہوتا ہے۔ اپنی ذات پر اعتبار رکھتا ہے۔ مقدمہ نگار؛ میر امن کی "باغ و بہار" کو مسلّم گردانتے ہوئے اسلوبیاتی نقطہ نظر سے تاریخی، ادبی اور اردو ادب کا گلِ شاداب قرار دیتا ہے:

> "یہ کتاب قصہ گوئی کی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار ہے۔ یہ کتاب اسلوب کے نقطہ نظر سے تاریخی اور ادبی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی زبان سے بعد کے قصہ گو ادیبوں کو کہانی کہنے اور لکھنے کے لیے نئی زبان ملی۔ اس کتاب میں مافوق الفطرت عناصر تو ضروری ہیں مگر ہماری دنیا کی روداد بھی ہے۔ باغ و بہار جدید تنقیدی زاویہ نگاہ سے بھی پرکھی جاسکتی ہے کیونکہ اس میں کرداروں کا ارتقا بھی ہے۔ غرض باغ و بہار اردو ادب کا گُلِ شاداب ہے اور اس کی رنگینی میر امن کے خونِ دل کی مرہونِ منت ہے۔"۔ (۸)

مقدماتِ باغ و بہار کا ساتواں مقدمہ ڈاکٹر ممتاز منگلوری کا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری میر امن کے حالاتِ زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باغ و بہار کو جس قدر شہرتِ دوام حاصل ہوئی اتنے ہی میر امن کے حالات زندگی گوشہ گمنامی میں رہے۔ باغ و بہار کے سن تالیف پر بحث کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۱۸۰۱ء میں یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی۔ ابوالخیر کشفی نے بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا ہے۔ دیگر محققین کی طرح ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے باغ و بہار کا ماخذ نو طرزِ مرصع کو ہی قرار دیا ہے۔ باغ و بہار کا فنی جائزہ لیتے ہوئے موصوف نے اسے اردو کی بہترین اور مختصر داستانوں میں شمار کیا ہے۔ پھر باغ و بہار کے پانچوں قصوں پر بحث کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ باغ و بہار میں مافوق الفطرت عناصر پر زور نہیں دیا گیا؛ علاوہ ازیں کہانی میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے جادو اور شعبدوں کو ایک حربے کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا؛ بس داستان کے پلاٹ کو ان کے کرداروں کے سہارے آگے بڑھانے اور مکمل کرنے پر

زیادہ انحصار کیا گیا ہے۔ داستان کے روایتی عنصر ''اتفاقات'' اور ''غیبی امداد'' کا کہیں کہیں سہارا لیا گیا ہے۔ باغ و بہار کے قصے اور تمہید پر بحث کرتے ہوئے منگلوری صاحب رقم طراز ہیں:

''باغ و بہار میں ہر قصے کی تمہید اور آغاز میں یہ فنی خوبی موجود ہے کہ قاری فوراً ہی اس فضا میں جذب ہو جاتا ہے۔ شروع سے ہی قاری کی قصے میں یہ دلچسپی اسے اپنے ماحول سے الگ کر کے داستان کی دنیا میں محو کر دیتی ہے اور یہی کسی داستان کی بڑی کامیابی ہوتی ہے۔''(۹)

ڈاکٹر ممتاز منگلوری: میر امن کو اپنی بات ختم کرنے میں عجلت پسند تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو یکساں، روانی والا، اعتدال پسند اور ٹھہراؤ کی کیفیت رکھنے والا کہانی گو سمجھتے ہیں۔ دلی معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے ڈاکٹر ممتاز منگلوری میر امن کی کہانی کو گہری دلچسپی سے دیکھتے ہیں اور دلی کی معاشرت کی بڑی بھرپور تصویریں اخذ کرتے ہیں۔ قصبوں کے مناظر کو دلی کی معاشرت اور دربار مغلیہ سے جوڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ باغ و بہار میں ساز و سامان، رہن سہن کا طریقہ، دعوتوں اور ضیافتوں کے نقشے، لباس حتّٰی کہ رسم و رواج کو بھی مقدمہ نگار تہذیبی اور معاشرتی پہلو کا عکاس سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری میر امن کی باغ و بہار میں کھینچے گئے دلی کی معاشرت کے نقش کو اپنے الفاظ کے آئینے میں یوں اُتارتے ہیں:

"میر امن کا کمال اس میں ہے کہ انہوں نے اس معاشرت کی بڑی چلتی پھرتی تصویریں کھینچ دی ہیں اور مغل درباروں کے مرقعے اردو ادب میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیئے ہیں۔ میر امن اپنے عہد کے رجحانات سے بھی متاثر ہیں اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقدار کے زیرِ اثر ہی وہ آزاد بخت کے دربار میں فرنگ کے ایلچی کو خود بادشاہ سے بھی زیادہ ذہین اور دانشمند ظاہر کرتے ہیں۔"(۱۰)

تنقید و تحقیق کی دنیا میں ڈاکٹر سلیم اختر اپنی ایک خاص پہچان رکھتے ہیں۔ مقدماتِ باغ و بہار میں ترتیب کے لحاظ سے آٹھواں مقدمہ ڈاکٹر سلیم اختر کا ہے انہوں نے اردو نثر کا ظہور ایک تہذیبی وقوعہ، فورٹ ولیم کالج کا قیام، جان گلکرسٹ، باغ و بہار، تنقید کی روشنی میں باغ و بہار کی تحقیقات کا پس منظر، باغ و بہار اور امیر خسرو، نوطرزِ مرصع، ایک اور طرزِ مرصع، باغ و بہار کے ماخذات، باغ و بہار کی مقبولیت، باغ و بہار کا سنِ اشاعت، باغ و بہار تنقید کے آئینے میں، باغ بہار کا تنقیدی مطالعہ، باغ و بہار کی شہزادیاں؛ جیسے عنوانات کے تحت اپنے مقدمے کو مفید اور موثر بنانے کی کوشش کی ہے اور یقیناً وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے خیال میں اردو نثر فارسی کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اردو شعر فارسی اظہار کے سانچے میں ڈھل کر نکلتا تھا اس لیے نثر نے بھی وہی رنگ اختیار کیا اور یوں اردو نثر فارسی اسلوب کے رنگ میں رنگی رہی۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

> "اردو غزل؛ میر، درد اور سودا کی صورت میں نقطہ عروج کو پہنچ گئی لیکن نثر ابھی تک اپنے میر امن کی منتظر تھی۔ جسمانی طور پر تو میر امن بھی موجود تھا لیکن ابھی ''باغ و بہار'' کے لیے فضا ساز گار نہ تھی۔"(۱۱)

ڈاکٹر صاحب کی نظر میں اردو نثر کا ظہور ایک تہذیبی وقوعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی تجارت کو ڈاکٹر سلیم اختر سیاسی لحاظ سے مکارانہ مگر برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم تہذیبی واقعہ سمجھتے ہیں۔ دو تہذیبوں کے ٹکراؤ سے اردو نثر کی ترویج بھی ہوئی اور اسے عروج بھی ملا۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کو ڈاکٹر سلیم خیر کا سبب گردانتے ہیں کیوں کہ یہ تحریک اُن کی نظر میں سلاست کی تحریک کا سبب بنی اور اردو کو اس کے مجموعی فوائد بھی حاصل ہوئے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ اگر لارڈ ولزلی گورنر بن کر نہ آتا تو شاید یہ مساعی انفرادی نوعیت کی ہی رہتیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر گل کرسٹ کے وجود کو فورٹ ولیم کالج کے قیام میں اہم گردانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ باغ و بہار پر سب سے پہلی اور قابلِ ذکر تحقیق مولوی عبدالحق کا وہ مقالہ ہے جو رسالہ "اردو" جولائی ۱۹۳۰ء میں طبع ہوا اور بعدازاں ۱۹۳۱ء میں باغ و بہار کے ساتھ بطور مقدمہ انجمن ترقی اردو کے لیے طبع کرایا۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنی تحقیقی کاوش کی روشنی میں نوطرزِ مرصع کو باغ و بہار کے وجود کے لیے ضروری گردانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نوطرزِ مرصع باغ و بہار کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح محمد غوص خان زریں کی کتاب کو وہ ایک اور نوطرزِ مرصع کے نام سے مخاطب کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وقار عظیم کے خیال میں یہ تحسین کی نوطرزِ مرصع سے پچیس چھبیس برس بعد لکھی گئی۔ باغ و بہار کی مقبولیت کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر ہندوستان کے قارئین، کردار، ماحول اور فضا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ تو ہندوستان کی بات ہے جہاں کے قارئین کے لیے کردار، ماحول، فضا اور زبان سبھی کچھ ناموس تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عمر خیام کی رباعیوں کی مانند باغ و بہار نے مغربی ذہن کو خاصا متاثر کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کے تراجم کی نصابی حیثیت بھی وہی ہو گی لیکن ہمیشہ ایسا تو نہ ہو گا۔ اگر یہ بذاتِ خود سامان کشش نہ رکھتی تو انگریزی کے علاوہ بعض اور یورپی زبانوں میں اس کے تراجم کیوں ہوئے"(۱۲)

ڈاکٹر سلیم اختر؛ پیش لفظ طبع اول، ۱۸۶۴ء کے عنوان کے تحت باغ و بہار کی ادبی حیثیت کو ہندوستان میں شائع شدہ تمام ادبی کارناموں میں برتر تسلیم کرتے ہیں۔ باغ و بہار کو تنقیدی مطالعہ کی حیثیت سے وہ اس کے انفرادی حصوں کو اولاً تو بھاری بھر کم افسانے تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس پر طرہّ یہ کہ ان انفرادی سلسلوں کو مربوط بھی جانتے ہیں۔ میر امن کی باغ و بہار مختصر مگر جامع خیال کرتے ہیں۔ باغ و بہاراور لطفِ زبان کے حوالے سے انہوں نے غالب کے تنقیدی شعور کی وضاحت کرتے ہوئے اس کا انطباق میر امن کی باغ و بہار پر کیا ہے۔ غالب نے مرزا رجب علی بیگ سرور کی تصنیف کو الفاظ کا بھٹیار خانہ جب کہ میر امن کی باغ و بہار کو لطفِ زبان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مزید یہ کہ موصوف نے گنج خوبی کا ایک اقتباس تحریر کر کے اس سے تین نکات کا استخراج بھی کیا ہے جس سے ڈاکٹر سلیم اختر کا تنقیدی شعور بھی اجاگر ہوتا ہے اور باغ و بہار کے فنی پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اخذ کردہ رہنما اصول جن سے میر امن کے ترجمہ کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے،؛ درج ذیل ہیں:

(۱)۔ لفظ ترجمہ کی بجائے کہانی اخذ کرنا پسند کرتے ہیں۔

(۲)۔ عوام و خواص کی عام بول چال کی زبان کو معیاری سمجھتے ہیں۔

(۳)۔ اردو کو خالص رکھتے ہوئے اسے مفرس اور معرب بنانا پسند نہیں کرتے۔

رشید حسن خان تحقیق کی دنیا میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ زیرِ بحث ''مقدماتِ باغ و بہار'' میں ان کا مقدمہ نویں نمبر پر ہے۔ رشید حسن خان نے مقدمہ کے آغاز میں ہی باغ و بہار کو اردو نثر کا پہلا صحیفہ قرار دیا ہے اور فورٹ ولیم کالج کو جہاں سے باغ و بہار کی تصنیف ہوئی ہے، کو تصنیف و تالیف کا ایسا مرکز قرار دیا ہے جس کے اثرات اردو زبان کی ترقی کے سلسلے میں نہ صرف دور رس ہوئے بلکہ دیرپا بھی ثابت ہوئے۔ فورٹ ولیم کالج رشید حسن خان کی نظر میں پہلا باضابطہ ادارہ جو تصنیف و تالیف کا مرکز بنا اور یہی ادارہ ہے جو جدید اردو نثر اور نئے لسانی شعور کے فروغ میں حیثیت کے اعتبار سے بنیادی اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مقدمہ نگار کی نظر میں باغ و بہار کو سب سے زیادہ شہرت ملی اور سب سے زیادہ اسی کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔ میر امن دہلوی کا تخلص رشید حسن خان نے لطف لکھا ہے مگر کسی دلیل سے اسے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مقدمہ نگار نے قیاس کی بنیاد پر جو کہ انہوں نے میر امن کی کتاب گنج خوبی سے اخذ کیا ہے؛ کہا ہے کہ میر امن فارسی سے خوب واقف تھے اور ان کی نظر میں کچھ شواہد کی بنا پر شیعہ بھی تھے۔

رشید حسن خان نے اپنے تحقیقی نقطہ نظر سے یہ بھی لکھا ہے کہ میر امن کلکتے میں دو سال تک اتالیق رہے اور ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبے میں ''ماتحت منشی'' کی حیثیت سے چالیس روپے ماہوار پر

ان کا تقرر بھی ہوا۔ ۴ مئی ۱۸۰۱ء سے جون ۱۸۰۶ء تک وہ کالج میں رہے۔ رشید حسن خان نے میر امن کی دو کتابوں ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' کو ان کی یادگار تصانیف کے طور پر یاد کیا ہے۔

ایک ذیلی عنوان باغ و بہار؛ ترجمہ، تالیف یا تصنیف میں مقدمہ نگار نے پوری بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے کہ کالج کونسل کا انعامی اشتہار شائع ہونے کے بعد میر امن نے باغ و بہار لکھی ہے اور اس کا ماخذ دیگر محققین کی طرح رشید حسن خان نے بھی نوطرزِ مرصع کو ہی قرار دیا ہے۔ کتاب میں شامل عکس سے اندازہ لگاتے ہوئے مقدمہ نگار اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ نوطرزِ مرصع فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے اور باغ و بہار کا ماخذ نوطرزِ مرصع ہے۔ رشید حسن خان نے باغ و بہار کو نوطرزِ مرصع سے اخذ شدہ تو قرار دیا ہے مگر اس کو ترجمہ تسلیم نہیں کیا۔ مقدمہ نگار کے ہاتھ ایک قدیم خطی نسخہ لگا جس کے آخر میں نہ تو ترقیمہ ہے اور نہ شروع میں کوئی تحریر ہے جس سے تحقیق کو آگے بڑھایا جاسکے۔

مطبوعہ نسخوں کا ذکر کرتے ہوئے مقدمہ نگار بتاتے ہیں کہ باغ و بہار متعدد بار چھپ چکی ہے۔ ان کی نظر سے باغ و بہار کی تدوین کے تین نُسخے گزرے ہیں جن میں زمانی ترتیب کے حوالے سے سب میں ہندی مہینوں کا نام آتا ہے۔ دوسرا نسخہ ہندوستانی پریس کلکتہ سے چھپا اور تیسرا نسخہ ڈنکن فاربس نے مرتب کیا؛ علاوہ ازیں ایک موخر نسخہ بھی ہے جسے مولوی عبدالحق نے مرتب کیا۔ مرتب ڈنکن فاربس کے حوالے سے رشید حسن خان نے واضح کیا ہے کہ اس نسخے کی چار اشاعتیں میرے علم میں ہیں۔ اشاعتِ اول اور اشاعتِ چہارم کے حوالے سے مقدمہ نگار کا کہنا ہے کہ اس نے ان دونوں کتب سے استفادہ کیا ہے۔ پہلی بار یہ لندن سے ۱۸۴۶ء میں اور چوتھی بار ۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی۔ مقدمہ نگار نے عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کے استعمال سے جو ''باغ و بہار'' کی زینت بنے، کے حوالے سے دلچسپ باتیں کہی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میر امن نے ''باغ و بہار'' کی تصنیف میں فارسی کے غیر مانوس الفاظ استعمال ہی نہیں کیے بلکہ عربی فارسی کے کم مانوس الفاظ کو اس طرح کھپایا ہے کہ عبارت کے دونوں ٹکڑے چمک اٹھے ہیں اور ایک نیا پن پیدا ہو گیا ہے۔ اس حوالے سے رشید حسن خان مزید وضاحت کرتے ہوئے ''باغ و بہار'' کی تحریر کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

> "کمال اُن کا یہ ہے کہ کم مانوس الفاظ ان کی عبارت میں آکر اپنی اجنبیت کھو دیتے ہیں۔ اس قدر برمحل ہوتے ہیں کہ ذہن میں نئے پن کی روشنی شامل ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا فوری طور پر محسوس کر لیتا ہے کہ عربی یا فارسی کے متعارف لفظ کا نہایت عمدہ بدل مل گیا ہے۔"(۱۳)

رشید حسن خان ''باغ و بہار'' میں استعمال ہونے والے فارسی کے الفاظ اور اجنبی طرزِ ادا کو بھی اپنی تحریر اور مقدمے کا حصہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باغ و بہار میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں طرزِ ادا میں اجنبی پن پیدا ہو گیا ہے یا صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے انداز میں جملے گھڑے گئے ہیں بالکل اس طرح جیسے فارسی جملوں کا ترجمہ کیا جا رہا ہو۔

''مقدماتِ باغ و بہار'' کا آخری مقدمہ ڈاکٹر اسلم عزیز درانی کا ہے۔ مقدمہ نگار نے تمہیدی خاکے میں میر امن کی داستان ''باغ و بہار'' کو اردو اصناف ادب کی مقبول داستان قرار دے کر داستان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اُن کی نظر میں داستانیں تسکینِ ذوق کا ذریعہ بھی ہیں اور ہمارے معاشرتی اور تہذیبی مذاق کی مظہر بھی۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام اور اردو ادب کی خدمات کے حوالے سے وہ اس بات کو حق تسلیم کرتے ہیں کہ اردو میں سلاست کی تحریک کا باعث جو بنا وہ فورٹ ولیم کالج ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی اردو ادب میں خدمات، میر امن دہلوی کی تصنیف، ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی اردو زبان دانی میں گہری دلچسپی اور اردو سیکھنے کی خاطر اپنا انگریزی لباس ترک کر کے مقامی باشندوں کی سی وضع قطع اختیار کرنا یہاں تک کہ جان گل کرسٹ کا قاعدہ و زبان اور نصاب مرتب کرنا اور مترجم کے فرائض سرانجام دینا جیسی باتوں کو بھی مقدمہ نگار احاطہ تحریر میں لائے ہیں تاکہ میر امن دہلوی کی معرکۃ الآرا تصنیف ''باغ و بہار'' کے سیاق و سباق پر روشنی پڑ سکے۔

مقدمہ نگار نے یہاں میر امن دہلوی کی سوانح حیات کا ایک مختصر نقشہ کھینچا ہے ان کے مطابق میر امن شاعر بھی تھا مگر اس نے شاعری کو درخورِ اعتنانہ سمجھا اور نہ ہی میر امن نے شاعر ہونے کا دعویٰ کیا۔

مقدمہ نگار لکھتے ہیں کہ کالج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد میر امن پر کیا گزری، اس حوالے سے کچھ نہیں معلوم۔ میر امن کی بقیہ زندگی اور وفات تک کے حالات پردہ اخفا میں ہیں اور میر امن کی تاریخ وفات بھی تحقیق طلب ہے۔ مقدمہ نگار کے نزدیک یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ فارسی زبان میں یہ قصہ سب سے پہلے کس نے تصنیف کیا؟ تنقیدی مطالعہ میں مقدمہ نگار میر امن کی اس خوبی کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ میر امن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے داستانوی فضا تخلیق کرتے ہوئے عجیب و غریب مہمات، عجیب الخلقت کردار، ماورائے عقل اشیاء وغیرہ کا سہارا لیے بغیر اپنی داستان آگے بڑھائی ہے۔ مقدمہ نگار اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "میر امن نے اپنے قلم سے ''باغ و بہار'' کو حیاتِ جاوید کا رنگ عطا کیا۔ یہ داستان دراصل قصہ گوئی کے ہنر کا اعجاز ہے۔ میر امن نے ''باغ و بہار'' میں قصہ گوئی کی بے پناہ خلاقی قوت کے ساتھ، دلچسپی کے عناصر سے، ایسی فنکاری اور ہنر مندی سے اسے مزیّن کیا ہے کہ اس کے سامنے فن کا ہاتھ بھی فنا ہو جاتا ہے۔"(۱۴)

مقدمہ نگار میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' میں موجود مبالغہ آرائی کے پہلوؤں کو بھی احاطہ تحریر میں لائے ہیں مثلاً خواجہ سگ پرست کی داستان میں برہمنوں کی ماتا کی عمر دو سو چالیس برس بتائی گئی ہے اور اس کے چھتیس بیٹے بتائے گئے ہیں جو بت خانے کے سردار ہیں۔ مقدمہ نگار کو میر امن کی اس طرح کی مبالغہ آرائی بری نہیں لگی بلکہ وہ اس کو داستان کے لیے دلکشی اور رعنائی خیال کرتے ہیں۔ زبان و بیان کے ضمن میں مقدمہ نگار نے اردو ادب کے بڑے بڑے ناموں کو میر امن کی ''باغ و بہار'' کے حوالے بطور حوالہ پیش کیا ہے؛ جن میں سر سید احمد خان، مرزا غالب، مولوی سید محمد، حمید احمد خان، عابد علی عابد، مولوی عبد الحق، ڈاکٹر سید عبد اللہ، کلیم الدین احمد، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر سلیم اختر اور رشید حسن خان کے نام شامل ہیں۔ ڈاکٹر اسلم عزیز درانی میر امن کی ''باغ و بہار'' کے اسلوب پر بات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "ان کے اسلوب میں وہ جادو ہے، وہ سحر ہے، وہ قوت ہے جو قاری پر چھاجاتا ہے۔ وہ قاری کی توجہ کو بھٹکنے نہیں دیتے بلکہ اپنے زبان و بیان کی حسین ڈور میں باندھ کر چلتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اردو سیکھنے کے لیے ''باغ و بہار'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جس طرح گل کرسٹ نے اردو ''کلیاتِ سودا'' سے سیکھی۔ آج کے دور میں ''باغ و بہار'' ہی اردو سکھانے کے لیے کافی ہے۔"(۱۵)

"مقدماتِ باغ و بہار" کے مجموعی جائزے میں زیرِ بحث دس مقدمہ نگاروں نے مشترکہ موضوعات کے طور پر اختیار کر کے ''باغ و بہار'' پر بحث کی ہے درج ذیل ہیں:

۱۔ باغ و بہار کا اسلوب
۲۔ باغ و بہار کے ماخذات
۳۔ باغ و بہار اور زبان و بیان
۴۔ فورٹ ولیم کالج اور جان گلکرسٹ
۵۔ باغ و بہار میں موجود معاشرت کی عکاسی
۶۔ باغ و بہار کے تنقیدی پہلو
۷۔ میر امن دہلوی کا مذہب
۸۔ باغ و بہار کے کرداروں کا تجزیہ

جہاں تک باغ و بہار کے اسلوب کا تعلق ہے تو تمام مقدمہ نگاروں کی آرا مختلف ہیں مگر میر امن دہلوی کی سلاست، روانی اور نیرنگی خیال کے سب اسیر ہیں۔ ''باغ و بہار'' کے ماخذات کے حوالے سے بات کی جائے تو ڈاکٹر

عزیز اسلم درانی سمیت کچھ دیگر مقدمہ نگاروں نے بھی میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' سے کلاسیکی طہارت کو تلاش کیا ہے۔ درانی صاحب نے میر امن کی اس یادگار داستان کو ایسی داستان قرار دیا ہے جس کے سامنے فنا کا ذائقہ بھی آبِ بقا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بات سے بھی کسی مقدمہ نگار نے اختلاف نہیں کیا کہ ''باغ و بہار'' کا ماخذ ''نو طرزِ مرصع'' ہی ہے۔ میر امن دہلوی کی یہ معرکتہ الآرا داستان ''باغ و بہار'' دراصل فورٹ ولیم کالج کی مرہونِ منت ہے اور اس بات پر سب مقدمہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ میر امن دہلوی مسلکاً شیعہ تھے۔ ''باغ و بہار'' کو سامنے رکھ کر اگر اس کا موازنہ دیگر داستانوں سے کیا جائے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس طرز کی متوازن، معاشرت کی صحیح عکاسی کرنے والی اور مبالغہ آرائی سے بہت حد تک پاک داستان اردو ادب میں کوئی اور نہیں۔ داستان کی کامیابی کا راز بھی یقیناً اس چیز میں مضمر ہوتا ہے کہ الفاظ، محاورات، ضرب الامثال اور روز مرہ وغیرہ کا استعمال اس طرح کا ہونا چاہیے جو اس دور کی مکمل غمازی کریں اور لب ولہجہ وہی ہونا چاہیے جو اس داستان کے دور سے تعلق رکھتا ہو۔ رہن سہن، کھانے پینے، نشت و برخاست کے آداب بھی اس دور کی معاشرت کے مطابق ہوں۔ مافوق الفطرت چیزوں کا بے جا ذکر کرنے کی بجائے اعتدال برتا جائے۔ کہانی کے کرداروں کی خوبیوں اور خامیوں کو اس طرح سے اجاگر کیا جائے جو عقلِ سلیم سے تعلق رکھتی ہوں اور جو منطقی معیار پر پورا اترتی ہوں۔ ''باغ و بہار'' کے گہرے مطالعے کے بعد یقیناً ہر قاری اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا بقول غالبؔ کہ یہ داستان الفاظ کا بھٹیار خانہ نہیں بلکہ ہر لحاظ سے توازن کی ایک زندہ و پائندہ تصویر ہے جسے ہر دور میں شوق و تجسس کے ساتھ پڑھا اور سنا جاتا رہے گا۔ ''باغ و بہار'' کو دیگر داستانوں پر اس لحاظ سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ اس کے مصنف یعنی داستان گو نے اس کی ضخامت بڑھانے کے لیے غیر ضروری الفاظ کا استعمال نہیں کیا اور نہ ہی غیر متعلقہ تصویر کشی کو فروغ دیا ہے۔

''باغ و بہار'' کے متعلق سید وقار عظیم کے یہ الفاظ بھی گراں قدر ہیں کہ میر امن کی قصہ گوئی میں قدیم طرز کی رنگینی اور جدید طرز کی سادگی کا حسین امتزاج ہے۔ یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ ''باغ و بہار'' مقدمہ نگاروں کی نظر میں ''نوطرزِ مرصع'' کا ترجمہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ''نوطرزِ مرصع'' فقط اس کا ماخذ ہے۔ میر امن نے ترجمہ کی بجائے فارسی داستان ''نوطرزِ مرصع'' کا مفہوم سمجھ کر اس کو سہل اردو زبان میں ڈھالا ہے۔ میر امن کے سانچے نئے اور اندازِ تحریر نیا ہے؛ گویا قدامت کے سانچوں کو پہلے جدت میں ڈھالا گیا اور اور پھر ان سانچوں کو نیا رنگ اور نیا ڈھنگ دے کر نئی وضع قطع کا دلکش، دلفریب اور ہر دل عزیز سانچہ بنا کر پرانی کہانی کو معاشرت سے بھرپور نئے رنگوں میں اتار کر ذوق کی قوسِ قزح کو الفاظ کے آئینے میں پرو دیا ہے۔ اُس آئینے میں جس میں صدیوں پرانی جاندار تصاویر بھی ہیں اور ادبی ارتقاء کی مضبوط کڑیاں بھی۔

مختصر یہ کہ دس معروف مقدمہ نگاروں کے ''باغ و بہار'' پر ادبی پوسٹ مارٹم سے میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' کی شکل نکھر کر ہمارے سامنے آگئی ہے اور ڈاکٹر عزیز درانی کی یہ کاوش یقیناً قابلِ ستائش ہے جو انہوں نے ''مقدماتِ باغ و بہار'' کے نام سے دس بڑے مقدمہ نگاروں کے تنقیدی خیالات کو ایک گلدستے میں سجادیاہے۔ راقم کی رائے میں ابھی میر امن دہلوی کی زندہ و جاوید کتاب ''باغ و بہار'' پر مزید تنقید اور تحقیق کی گنجائش موجود ہے جس سے داستان گو میر امن دہلوی کی شخصیت اور داستان لکھنے کی صحیح وجہ سامنے آسکے اور مذکورہ داستان کے حوالے سے تحقیق کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں، شکستہ خیالات اور کرداروں کے الجھاؤ کو مزید سلجھاؤ اور کسی منطقی انجام تک پہنچایا جاسکے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید حسن خاں، (مرتبہ)، ''باغ و بہار'' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی (بار ہفتم)، ۱۹۸۹ء، ص:۱۰

۲۔ اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، (ترتیب و تہذیب)، مقدماتِ باغ و بہار، کاروانِ ادب، ملتان صدر، طبع اول، ۱۹۹۵ء، ص:۶

۳۔ عبدالحق، مولوی، (مرتبہ مع مقدمہ و فرہنگ) ''باغ و بہار''، یونیورسٹی پبلشرز، علیگڑھ، سن ندارد، ص:۲

۴۔ اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، (ترتیب و تہذیب)، مقدماتِ باغ و بہار، کاروانِ ادب، ملتان صدر، طبع اول، ۱۹۹۵، ص:۳۴،۳۳

۵۔ ایضاً، ص:۷۳

۶۔ ایضاً، ص:۸۳

۷۔ ایضاً، ص:۱۰۴

۸۔ ایضاً، ص:۱۱۸

۹۔ ایضاً، ص:۱۴۰

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۵۹

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، (مرتبہ مع مقدمہ)، ''باغ و بہار''، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، سن ندارد، ص:۵

۱۲۔ اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، (ترتیب و تہذیب)، مقدماتِ باغ و بہار، کاروانِ ادب، ملتان صدر، طبع اول، ۱۹۹۵، ص:۱۹۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۹۳

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۴۲

References in Roman Script:

1- Rasheed Hassan Khan,(Murattiba), "Bagh o Bahar" Maktaba Jamia Limited,Nai Dehli, (Bar Haftam),1989, P-10

2- Aslam Azeez Durani, Dr. (Tarteeb o Tahzeeb), Muqadmaat e Bagh o Bahar" Karwan e Adab, Multan, Sadar, Taba e Awal.1995, P-6

3- Abdul Haq, Molvi,(Murattiba Ma Muqadma o Fahang), "Bagh o Bahar",University Publishers Ali Garh,San Nadarad, P-2

4- Aslam Azeez Durani, Dr. (Tarteeb o Tahzeeb), Muqadmaat e Bagh o Bahar" Karwan e Adab, Multan, Sadar, Taba e Awal.1995, P:33,34

5- Do, P:73

6- Do, P:83

7- Do, P:104

8- Do, P:118

9- Do, P:140

10- Do, P:159

11- Saleem Akhter,Dr. (Murattiba Ma Muqadma), "Bagh o Bahar",Ijaz Publishing House, Nai Dehli, San Nadarad, P-5

12- Aslam Azeez Durani, Dr. (Tarteeb o Tahzeeb), Muqadmaat e Bagh o Bahar" Karwan e Adab, Multan, Sadar, Taba e Awal.1995, P:192

13- Do, P:293

14- Do, P:321

15- Do, P:342